Fikr-o-Nasar (Islamabad) 14:2 (1976)

اسلام کا تصوّرِ عدل

طفیل احمد قریشی

انسانی مسائل کا تعلق خواہ کسی بھی شعبہ حیات سے ہو ان کے حل میں "عدل" کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اقوام کی تاریخ میں جب بھی اور جہاں بھی اسے نظر انداز کیا گیا انسانی روابط میں کھچاؤ پیدا ہوا، تحریکیں ابھریں اور ان کے نتیجے میں انقلاب برپا ہوتے۔ لفظ "عدل" اپنے مفہوم و مقصد کے اعتبار سے مختلف قوموں اور زبانوں میں مختلف ناموں سے سامنے آتا ہے۔ اُردو زبان میں یہ لفظ عربی سے مشتق ہے لغت میں عَدَلٌ سے مراد دو وزن کرنے والے پلڑوں کی برابری یا مساوات ہے۔ چنانچہ "عطاہ بالعدل" کے معنی ہیں "اس نے برابر یعنی پورا پورا تول کر دیا" "اُعتدل الشعر" سے مراد یہ ہے کہ شعر اپنے وزن کے اعتبار سے مساوی یا برابر ہو گیا۔ اسی طرح جب "عَدَلَ عَلَی القَوم" کہا جائے گا تو مراد ہوگی کہ اس نے لوگوں کے معاملات کو مساوی و برابری کے اسلوب پر انجام دیا۔[1]

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے اکثر آیات کے مطالب و تشریح سے اس لفظ کی جو تعریف سامنے آتی ہے۔ اسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ "العدالۃ وھی ملکۃ فی النفس تصدر عنھا الافعال التی یقام بھا نظام المدینۃ"[2]

---

[1] عربی و انگریزی لغت (لفظ عدل)، جلد ۵ ص ۲-۱۹۷۲ لندن ۱۸۷۴ء

[2] حجۃ اللہ البالغہ - جلد اوّل ص ۴۳ قاہرہ ۱۳۲۲ھ -

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

یعنی عدالت (یا عدل) انسانی نفس میں ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جن پر بہتر) سماجی نظام قائم ہوتا ہے چنانچہ اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ (سورۃ الانفطار آیت ۷)، "وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور تجھے متوازن قوتیں بخشیں"۔ وَاِنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورۃ النساء آیت ۵۸) اور جب فیصلہ کرو تو برابری یعنی بلا امتیاز فیصلہ کرو۔ "فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۴۸) پس تم خواہشات کی پیروی نہ کرو تاکہ تم عدل کرسکو۔ اور ایسی ہی دوسری قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل انسان کا ایسا ملکہ و خاصہ ہے جس کی بدولت وہ کاروبار حیات کے ہر مسئلے کو ہر قسم کے امتیاز و تعلق سے بالاتر ہو کر حل کرتا ہے۔

عمرانی اصطلاح میں یہ لفظ (عدل) "انصاف" اور "مساوی طرز عمل" وغیرہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ سماجی انصاف یا سماجی مساوات نام ہے اس عمل کا جس کا تقاضا ایک فرد دوسرے فرد سے، ایک گروہ دوسرے گروہ سے اور ایک قوم دوسری قوم سے کرتی ہے۔ اسی سے افراد میں حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے اور اسی کی بنیادوں پر ایک اچھے یا بُرے معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قوم یا نظام کو ان اصولوں کی بدولت اچھا یا بُرا کہا جاتا ہے جو اس کے سماجی ڈھانچے کے محور و اساس ہوتے ہیں۔

اسلام نے عمرانی عدل اور سماجی انصاف کی جو راہیں متعین کی ہیں اس کی بنیاد بھی چند اصول ہیں۔ یہ اصول اسے دوسرے قدیم و جدید نظاموں سے ممتاز کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی تصور عدل کی وہ بنیادیں اور اصول جن پر اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کی عمارت کھڑی ہے انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مساوات   ۲۔ توسط یا اعتدال

۳۔ امانت   ۴۔ تعاون

۱۔ مساوات

مساوات کو اسلام نے محض چند سماجی شعبوں تک محدود نہیں کیا ہے۔

مساوات کا جو درس قرآن پاک نے دیا ہے اس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان خواہ کہیں کا ہو اور کسی دور میں پیدا ہوا ہو حقیقت میں ایک "نفس" سے پیدا ہوا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ (سورۃ النساء آیت ۱) یعنی اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک "جان" سے پیدا کیا ہے۔

انسانیت کی اکائی کے اس تصور کے بعد قرآن نے کائنات میں انسان کے مقام کو واضح کیا اور بتایا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا "اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی سمندر و خشکی کو اس کے زیر پا کیا اور اسے پاکیزہ روزی عطا کی اور کائنات کی دوسری بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی" (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

پیدائش کی اکائی اور مخلوقات میں اس کی برتری کے بعد خود انسانیت کی باری آتی ہے۔ نسلی اور جغرافیائی اعتبار سے انسان مختلف قوموں اور تہذیبوں میں بٹ گیا۔ جن لوگوں نے ایک وحدت (اسلام) کو قبول بھی کیا ان کا تعلق بھی مختلف قبیلوں سے تھا۔ ان میں مختلف رنگوں کے لوگ تھے جو مختلف زبانیں بولتے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ اس وحدت میں نسلی یا لسانی امتیاز کی وجہ سے شگاف پڑ جائے۔ چنانچہ قرآن نے اس مسئلہ کو بھی واضح کرتے ہوئے کہا کہ "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۳) یعنی "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے تمہارے قبیلے یا قومیں صرف اس لیے بنائے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ خدا کے نزدیک عزت اسی کی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"۔

مساوات کے اس بنیادی تصور سے یہ بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ مساوات سماج کے چند شعبوں میں افراد کے باہمی معاہدہ عمرانی کا نام نہیں بلکہ (۱) سب انسان چونکہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس لیے انسانیت "ایک اکائی" ہے (۲) کائنات میں اس کو ہر مخلوق پر فوقیت حاصل ہے (۳) جو چیز بھی اس کائنات میں پیدا کی گئی ہے افراد انسانی کا اس "نعمت" پر پورا پورا حق ہے (۴) رنگ، نسل یا قوم صرف تشخص (پہچاننے) کا ذریعہ ہیں یہ نہ مقصد ہیں اور

نہ ہی کوئی امتیازی خصوصیت

۵۔ امتیازی خصوصیت صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان حقوق و فرائض کے سلسلے میں کتنا اچھا فرد (متقی) ہے۔

۲۔ اعتدال

اسلامی سماجی انصاف کا دوسرا ستون اعتدال ہے۔ اعتدال یا میانہ روی سے مراد یہ ہے کہ معاشرے میں افراط و تفریط نہ ہو، مسائل کا ایسا حل تلاش کیا جائے جس میں انتہاپسندی کو دخل نہ ہو۔ قرآن نے اس امّت کی خصوصیت ہی یہ رکھی ہے کہ اس کے معاملات اعتدال پر مبنی ہوتے ہیں قرآن نے بتایا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ، "اور ہم نے تم (مسلمانوں) کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم (قوموں اور) لوگوں پر گواہ بنو" (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳)

۳۔ امانت

امانت اسلامی تصور عدل کا تیسرا بڑا ستون ہے ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے "امین" ہے یہ امانت اس کے پاس مختلف شکلوں میں موجود ہے کہیں اس کی شکل سرکاری یا سیاسی عہدہ ہے، کہیں سرمایہ و زمین۔ کہیں روزمرہ کے معاملات کہیں کنبہ یا افراد میں اس کی نجی حیثیت، غرض یہ کہ ہر صورت میں اسے یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ "امین" ہے اور خدا نے جو امانت جس شکل میں بھی اس کے سپرد کی ہے اس کو طے شدہ اصولوں کے مطابق امانت کے مستحق افراد تک پہنچانا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَلَا كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ۔ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ۔

"یاد رکھو تم میں ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی نگرانی کا مواخذہ ہوگا۔ ملک کا سربراہ جو کہ پوری قوم کا نگہبان ہے اس سے اس کی نگرانی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ایک عام آدمی اپنے گھر کا نگہبان ہے اس سے اس کی نگرانی کی باز پرس ہوگی۔ ایک عورت خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اسے ان کے بارے میں اس کی ذمہ داریوں کا جواب دہ ہونا ہوگا۔ ایک ملازم اپنے مالک کے مال کا نگران کرتا ہے اور اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ یاد رکھو کہ تم میں ہر شخص (کسی نہ کسی حیثیت سے) نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کا مواخذہ ہوگا۔"[1]

امانت کا یہ تصور محض فکر نہیں بلکہ حکم شرعی ہے۔ قرآن حکماً مسلمانوں کو یہ کہتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا ۔ (سورۃ النساء آیت ۵۸) یعنی خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ (جن چیزوں کے تم امین ہو) لوگوں کو ان کی امانتیں حوالے کیا کرو۔

۴۔ تعاون

اسلامی تصور عدل کی عمارت کا چوتھا ستون تعاون ہے۔ یہ ایک ایسا ستون ہے جس کا افراد انسانی کے عمل اور طرز زندگی میں ہم آہنگی سے گہرا تعلق ہے افراد یا قوم کے پیش نظر مقصد تو ہو لیکن تعاون نہ ہو تو حصول مقصد ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح تعاون اگر ہے بھی تو پھر اس بات کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ افراد میں تعاون کی نوعیت کیا ہے؟ تعمیری ہے یا تخریبی؟ تعاون اگر تعمیری ہے تو مقصد کا حصول آسان ہو جاتا ہے اور اگر تخریبی ہے تو منزل و مقصد اور دور ہو جاتا ہے لہٰذا عدل عمرانی کے مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے تعاون کو بھی بنیاد بنایا ہے۔ ایسا تعاون جو صرف تعمیری ہو۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۲) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور برائی و ظلم میں (بالکل) تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔

اسلام کے عدل عمرانی Social justice کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی ہے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۰، دہلی، سنہ ۱۹۳۲ء

اس نے معاشرے میں زبردست انقلاب برپا کیا، ایک مثالی معاشرہ ابھرا جس کے افراد نے مساوات، اعتدال، امانت اور تعاون جیسے اصولوں کو اپنی زندگیوں میں سمو لیا۔ پیغمبر انقلاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على اسود ولا لأسود على أحمر الا بالتقوىٰ"۔ تم میں سے کسی عربی کو عجمی (غیر عرب) پر نہ عجمی کو عربی پر، نہ کسی سرخ کو کالے پر، نہ کالے کو کسی سرخ پر کوئی برتری سوائے تقویٰ (پرہیزگاری) کے حاصل ہے۔[1]

مطلب یہ کہ تم خواہ کسی بھی جغرافیائی حدود میں رہتے ہو، کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ یا تمہارا رنگ کچھ بھی ہو، تم ایک امت ہو" ان هذه امتكم امة واحدة (بلاشبہ تمہاری یہ ایک امت ہے۔) (سورہ انبیاء آیت ۹۲)

تمہارے حقوق مساوی ہیں شریعت (قانون) کی نظروں میں تم بلا امتیاز ایک جیسے شہری ہو اگر تم میں کوئی ممتاز ہے تو صرف اس حیثیت سے کہ تمہارے معاشرے کے کسی فرد نے اسلامی شعائر و ضوابط کو کس قدر اپنایا ہوا ہے۔ یا یہ کہ وہ کتنا زیادہ متقی ہے۔

مساوات کی اس انداز میں تشریح اور اس کی عملی مثالیں جا بجا ملتی ہیں بلال حبشیؓ، سہیل یا صدیق اکبرؓ کسی کے لیے مجلس نبویؐ میں کوئی نشست مخصوص نہیں تھی۔ اگر خلیفۂ دوم (حضرت عمرؓ) کے پاس سواری کا صرف ایک اونٹ ہے اور خادم بھی ساتھ ہے تو اسے دونوں باری باری استعمال کرتے ہیں۔ چوری کے ایک مقدمہ میں جب مدعا علیہ کے ورثاء محض "اونچا خاندان" ہونے کی بنیاد پر مجوزہ سزا میں تخفیف و رعایت کے خواہاں ہوتے ہیں تو پیامبر مساواتؐ فرماتے ہیں۔ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔ "اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔[2]

اسلامی تعلیمات کے مطابق عدل عمرانی محض سیاسی و قانونی حقوق تک محدود نہیں ہے اس

---

[1] نیل الاوطار جلد ۵ ص ۸۸، قاہرہ ۱۹۵۲ء،

[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۴، دہلی ۱۹۳۲ء

کی جڑیں اقتصادیات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اسلام معاشرت کے ساتھ معیشت و اقتصادیات میں ہم آہنگی کا علمبردار ہے جب تک اقتصادی خوشحالی کو سماجی اصلاحات سے ہم آہنگ نہیں کیا جاتا یا دونوں کے لیے ساتھ ساتھ اقدامات نہیں ہوتے شہری حقوق کی حیثیت محض کاغذی جواہر پاروں کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے فرد کے طرزِ معاشرت کے ساتھ طرزِ معیشت پر خصوصی نظر رکھی ہے۔ فرد کے ذہن میں یہ اصول راسخ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہے خدا کا ہے، خدا کا عطا کردہ ہے اور جو کچھ عطا کردہ ہے اس کے صرف کرنے میں اس کی حیثیت "امین" کی ہے جس کا پورا پورا حساب اسے اس ذاتِ باری کو دینا ہوگا جس کا یہ سب کچھ ہے۔ جہاں تک دولت کے حصول وطریقِ حصول کا تعلق ہے فرد کو یہ اصول بتایا گیا کہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۲) یعنی مردوں کا اتنا حصہ ہے جتنا کمائیں اور عورتوں کا اتنا جتنا وہ کمائیں۔

فرد جائز ذرائع سے جتنا کمائے وہ اس کا "حصہ ہے لیکن کمائی" اور "حصے" کو اس طرح منظم کیا جائے گا کہ قومی دولت گردش کرتی رہے اور چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۰۰) اس طرح کہ دولت چند مالداروں کے ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔

پھر اس حصے میں بھی کچھ اور لوگوں کا "حصہ" ہے ان لوگوں کا تو ہے ہی جن کے وہ "کفیل" ہیں۔ لیکن ان کا بھی حق ہے۔ جو "بنیادی ضروریات" میں کسی ایک سے محروم ہیں وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (سورۃ الذاریات آیت ۱۹) یعنی ان کے مال میں سائل و محروم کا "حق" ہے ذاب یہ حق چند ادا کرتے ہیں۔ یا حکومت وقت ادا کرتی ہے یہ ایک الگ بحث ہے لیکن ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہر قسم کے "عدل" کا خواہاں ہے۔ اس عدل کی صورت خواہ قانون میں ہو، سیاسی حقوق میں، سماجی طرزِ معاشرت میں یا اقتصادی نظام میں۔ یہیں مساوات، اعتدال، امانت اور تعاون کے بنیادی اصولوں کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا اس سے ہر قسم کے استحصال کی بیخ کنی ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی شکل میں موجود ہو۔ اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو قرآنی کی تعلیم کے مطابق اس اصول پر اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ یعنی نہ ظلم کرو اور نہ ظلم سہنے دو (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۹)

یعنی عدالت (یا عدل) انسانی نفس میں ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جن پر (بہتر) سماجی نظام قائم ہوتا ہے چنانچہ اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ (سورۃ التکویر آیت ۷) "وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور تجھے متوازن قوتیں بخشیں"۔ وَاِنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورۃ النساء آیت ۵۸) اور جب فیصلہ کرو تو برابر یعنی بلا امتیاز فیصلہ کرو۔ "فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۴۸)" پس تم خواہشات کی پیروی نہ کرو تاکہ تم عدل کر سکو۔ اور ایسی ہی دوسری قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل انسان کا ایسا ملکہ و خاصہ ہے جس کی بدولت وہ کاروبار حیات کے ہر مسئلے کو ہر قسم کے امتیاز و تعلق سے بالاتر ہو کر حل کرتا ہے۔

عمرانی اصطلاح میں یہ لفظ (عدل) "انصاف" اور "مساوی طرز عمل" وغیرہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ سماجی انصاف یا سماجی مساوات نام ہے اس عمل کا جس کا تقاضا ایک فرد دوسرے فرد سے، ایک گروہ دوسرے گروہ سے اور ایک قوم دوسری قوم سے کرتی ہے۔ اسی سے افراد میں حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے اور اسی کی بنیادوں پر ایک اچھے یا برے معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی قوم یا نظام کو ان اصولوں کی بدولت اچھا یا برا کہا جاتا ہے جو اس کے سماجی ڈھانچے کے محور و اساس ہوتے ہیں۔

اسلام نے عمرانی عدل اور سماجی انصاف کی جو راہیں متعین کی ہیں اس کی بنیاد بھی چند اصول ہیں۔ یہ اصول اسے دوسرے قدیم و جدید نظاموں سے ممتاز کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی تصور عدل کی وہ بنیادیں اور اصول جن پر اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کی عمارت کھڑی ہے انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مساوات	۲۔ توسط یا اعتدال
۳۔ امانت	۴۔ تعاون

۱۔ مساوات

مساوات کو اسلام نے محض چند سماجی شعبوں تک محدود نہیں کیا ہے۔

نہ ہی کوئی امتیازی خصوصیت

۵۔ امتیازی خصوصیت صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان حقوق و فرائض کے سلسلے میں کتنا اچھا فرد اور متقی ہے۔

۲۔ اعتدال

اسلامی سماجی انصاف کا دوسرا ستون اعتدال ہے۔ اعتدال یا میانہ روی سے مراد یہ ہے کہ معاشرے میں افراط و تفریط نہ ہو، مسائل کا ایسا حل تلاش کیا جائے جس میں انتہا پسندی کو دخل نہ ہو۔ قرآن نے اس امت کی خصوصیت ہی یہ رکھی ہے کہ اس کے معاملات اعتدال پر مبنی ہوتے ہیں قرآن نے بتایا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ، " اور ہم نے تم (مسلمانوں) کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم (قوموں اور) لوگوں پر گواہ بنو۔" (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳)

۳۔ امانت

امانت اسلامی تصور عدل کا تیسرا بڑا ستون ہے ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے "امین" ہے یہ امانت اس کے پاس مختلف شکلوں میں موجود ہے کہیں اس کی شکل سرکاری یا سیاسی عہدہ ہے، کہیں سرمایہ و زمین۔ کہیں روزمرہ کے معاملات کہیں کنبہ یا افراد میں اس کی نجی حیثیت، غرض یہ کہ ہر صورت میں اسے یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ "امین" ہے اور خدا نے جو امانت جس شکل میں بھی اس کے سپرد کی ہے اس کو طے شدہ اصولوں کے مطابق امانت کے مستحق افراد تک پہنچانا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

اس نے معاشرے میں زبردست انقلاب برپا کیا، ایک مثالی معاشرہ ابھرا جس کے افراد نے مساوات، اعتدال، امانت اور تعاون جیسے اصولوں کو اپنی زندگیوں میں سمو لیا۔ پیغمبر انقلاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر الا بالتقوى"۔ تم میں سے کسی عربی کو عجمی (غیر عرب) پر نہ عجمی کو عربی پر، نہ کسی سرخ کو کالے پر، نہ کالے کو کسی سرخ پر کوئی برتری سوائے تقویٰ (پرہیزگاری) کے حاصل ہے [۱]

مطلب یہ کہ تم خواہ کسی بھی جغرافیائی حدود میں رہتے ہو، کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ یا تمہارا رنگ کچھ بھی ہو تم ایک امت ہو۔ "ان هذه امتكم امة واحدة (بلاشبہ تمہاری یہ ایک امت ہے۔) (سورہ انبیاء آیت ۹۲)

تمہارے حقوق مساوی ہیں شریعت (قانون) کی نظروں میں تم بلا امتیاز ایک جیسے شہری ہو اگر تم میں کوئی ممتاز ہے تو صرف اس حیثیت سے کہ تمہارے معاشرے کے کسی فرد نے اسلامی شعائر و ضوابط کو کس قدر اپنایا ہوا ہے۔ یا یہ کہ وہ کتنا زیادہ متقی ہے۔

مساوات کی اس انداز میں تشریح اور اس کی عملی مثالیں جابجا ملتی ہیں بلال حبشیؓ، سہیلؓ یا صدیق اکبرؓ کسی کے لیے مجلس نبویؐ میں کوئی نشست مخصوص نہیں تھی۔ اگر خلیفۂ دوم (حضرت عمرؓ) کے پاس سواری کا صرف ایک اونٹ ہے اور خادم بھی ساتھ ہے تو اسے دونوں باری باری استعمال کرتے ہیں۔ چوری کے ایک مقدمہ میں جب مدعا علیہ کے ورثاء محض "اونچا خاندان" ہونے کی بنیاد پر مجوزہ سزا میں تخفیف و رعایت کے خواہاں ہوتے ہیں تو پیامبر مساواتؐ فرماتے ہیں۔ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔ "اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا [۲]

اسلامی تعلیمات کے مطابق عدل عمرانی محض سیاسی و قانونی حقوق تک محدود نہیں ہے اس

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۵ ص ۸۸، قاہرہ ۱۹۵۲ء،

[۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۴، دہلی ۱۹۳۲ء